زاہدہ حنا ایک جرات مند ادیبہ

مبینہ

ریسرچ اسکالر شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی

تلخیص: پاکستان کی بے باک ادیبہ، کالم نگار، افسانہ نگار، ناول نگار اور شاعرہ زاہدہ حنا کہ پانچ افسانوی مجموعے دو ناول "درد کا شجر"،"درد آشوب" بھی تصنیف کیے۔ انہوں نے ٹیلی ویژن کے لیے کئی ڈرامے بھی لکھے۔ ان کا طویل دورانیہ ڈرامہ "زرد پتوں کا بن" بہت مقبول ہوا۔ اس کے علاوہ ان کی کہانیوں کے تراجم بھی بہت مقبول ہوئے۔ زاہدہ کے بہت سے مضمون "عورت: زندگی کا زنداں"،"باطل فنا ظاہر فنا"،"زبان کے زخم"، "آزمائش کی نصف صدی"، اور "ضمیر کی آواز" وغیرہ کتابوں میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے کئی کالم بھی تحریر کیے۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں متعدد اعزازات سے نوازا گیا۔ جن میں فیض ایوارڈ، ساغر صدیقی ایوارڈ۔ کے ایم۔ پی ایوارڈ بہترین افسانہ نگار، سندھ اسپیکر ایوارڈ اور سارک ادبی ایوارڈ شامل ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں انہیں حکومت پاکستان کی طرف سے پرائیڈ آف پرفارمنس دینے کا اعلان کیا گیا لیکن انہوں نے ملک میں ملٹری حکومت کی وجہ سے احتجاجاً یہ اعزاز لینے سے انکار کر دیا۔

کلیدی الفاظ: قیدی سانس لیتا ہے، رہا میں اجل نہ جنوں رہا نہ پری، رقص بسمل، تتلیاں ڈھونڈھنے والی، درد کا شجر، درد آشوب، زرد پتوں کا بن، علامت نگاری، عورت: زندگی کا زنداں۔

زاہدہ حنا ۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ہندوستان میں بہار کے ایک گاؤں "سہسرام" میں پیدا ہوئیں۔ والدہ شمس النسا اور والد محمد ابوالخیر جو انگریزی حکومت سے بغاوت کے جرم میں ڈھائی سال قید میں رہے۔ یہی وجہ تھی کہ زاہدہ کے مزاج میں بھی باغیانہ پن تھا۔ زاہدہ حنا کی رسم بسم اللہ کے بعد چھ سال کی عمر میں انہیں مسدس حالی اور آٹھ سال کی عمر میں شعر العجم پڑھائی گئی۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہی اپنے والد سے حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آنے پر مجبور، ان کے والدین کراچی میں آباد ہوئے۔ یہی پہلی مرتبہ ان کا اسکول میں داخلہ ساتویں جماعت میں ہوا۔ گریجویشن کرنے کے بعد ناگریز حالات کا سامنا رہا۔ جس وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکیں اور ایک بینک میں ملازمت مل گئی۔ ۱۹۶۶ء میں اخبار "خواتین" کی اسسٹنٹ ڈائریکٹر مقرر ہوئیں۔ پھر روزنامہ "مشرق" میں ٹرانسفر ہو گیا۔ ڈھائی برس تک "وائس آف امریکہ" کے کراچی آفس میں "فیچر رائٹر" اور "پروگرام پروڈیوسر" کا کام کیا۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۲ء تک "عالمی ڈائجسٹ" مدیر رہیں۔ ۱۹۸۷ء میں "بی. بی. سی." اردو کی پروگرام پروڈیوسر" ہو کر لندن چلی گئیں۔ سوا سال کے بعد وہاں سے بھی استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۸۸ء۔ ۲۰۰۶ء تک روزنامہ جنگ میں "نرم گرم" کے عنوان سے کالم تحریر کیے۔ ۲۰۰۶ء سے

اب تک روزنامہ ایکسپریس میں اسی نام سے کالم تحریر کر رہی ہیں۔ ان کے کالم ہندوستان میں سندھی اخبار عبرت اور دینک بھاسکر میں ترجمہ ہو کر شائع ہوتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں جون ایلیا سے شادی ہوئی لیکن یہ شادی زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی اور دونوں علیحدہ ہوگئے۔ زاہدہ حنا نے نو برس کی عمر سے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا، مگر باقاعدہ طور پر پہلا مضمون 'انشاء' دورِ جدید کا پیشرو یونان ماہنامہ کراچی میں شائع ہوا۔ پہلا افسانہ فردوس گزشتہ ماہنامہ "ہم قلم" کراچی میں اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے افسانوں میں "قیدی سانس لیتا ہے" ۱۹۸۳ء افسانوی مجموعہ جس میں ۱۲ افسانے شامل ہیں۔ "راہ میں اجل ہے" چھ افسانوں اور ایک ناولٹ کے ساتھ ۱۹۹۳ء اور تتلیاں ڈھونڈنے والی لڑکی زاہدہ حنا کے پہلے دو افسانوی مجموعوں کو یکجا کر کے ایک مجموعے میں شامل کر دہلی سے شائع کیا گیا۔ اس کے علاوہ ۱۳ افسانوں پر مشتمل ان کا ایک اور افسانوی مجموعہ "رقص بسمل ہے" ۲۰۱۱ء میں شائع کیا۔ اور ناولٹ جو دوسرے افسانوی مجموعے میں شامل تھا۔ "نہ جنون رہا نہ پری رہی" اس کا ترجمہ ہندی میں کروانی پر کاشمن سے الگ کتابی صورت میں ۲۰۰۴ء میں شائع کیا گیا۔ ان کے مضامین کا مجموعہ "عورت زندگی کا زنداں" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف کتابوں کے تراجم بھی کیے ہیں۔ زاہدہ حنا وقت گزارنے کے لیے کہانی نہیں لکھتی بلکہ ایسے واقعات اور موضوعات پیش کرتی ہیں جو پڑھنے والے کو سوچ میں مبتلا کر دیں۔ وہ جانتی ہیں کہ کسی بھی ادب کی تخلیق کے لیے موضوع کا استعمال نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ موضوع کی مثال ان ستونوں جیسی ہے جو عمارت کو مضبوط بناتے ہیں۔ اس طرح ان کے افسانوں میں موضوع کی اہمیت اسی طرح اہم ہے۔ وہ جو بھی لکھتی ہیں واضح سوچ و فکر کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ زاہدہ تاریخ کا شعور بھی رکھتی ہیں، حقیقت میں وہ موجودہ دور میں تاریخ کا سفر کرتی ہیں۔ ان کے افسانے تاریخی واقعات اور مقامات سے بھرے پڑے ہیں۔ انہوں نے تاریخی حوالوں کو نو تاریخیت کے زمرے میں موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے موجودہ حالات کو ماضی کے حالات و واقعات کے ذریعے بیان کیا ہے اور کہیں انہوں نے ماضی کے حالات کو موجودہ حالات سے تشبیہ دی۔ زاہدہ حنا جب افسانہ لکھتی ہیں تو وہ کسی ملک یا خاص جغرافیائی حدود کی پابندی نہیں کرتی۔ دنیا میں کہیں بھی جنگ ہو یا انسانیت کو مختلف بہانوں سے پامال کیا جا رہا ہو وہ ایک تخلیق کار کی طرح مختلف موضوعات کو افسانے میں پیش کرتی ہیں۔ پھر چاہے وہ ناگہ ساقی اور ہیروشیما میں جنگ ہو یا عراق کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہو، افغانستان کے حالات ہوں یا برما میں پھیلی خون ریزی ہو یا بنگلہ دیش میں دوسروں کی لگائی گئی آگ ہو۔ یہ سب حالات دنیا کے مختلف ممالک میں ماضی کے حالات کو مستقبل کے حالات کے ذریعے سے بیان کرتی ہیں۔ اس حوالے سے آسیہ نازلی لکھتی ہیں۔

' "زاہدہ حنا کی انسانی دوستی کسی خاص پیمانے یا جغرافیائی حدود کی پابند نہیں ہے دنیا میں جہاں کہیں جنگ کا بازار گرم ہے اور انسانیت کو خطرات لاحق ہیں وہ ایسے موضوع بناتی ہیں چاہے وہ ناگاساکی اور ہیروشیما پر چند لمحوں میں گزر جانے والی قیامت اور اس کے ختم ہونے والے اثرات ہوں یا فلسطین جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم ہے ان سب مظلوموں سے زاہدہ حنا جذباتی تعلق محسوس کرتی ہیں۔"

(آسیہ نازلی، زاہدہ حنا: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ۲۰۱۷، ص۔ ۱۰۰-۱۰۱)

آسیہ نازلی کے ان اقتباس کو پڑھ کر ہم سیکھ سکتے ہیں کہ ادیب معاشرے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے جو اپنے دور میں پیش آنے والے واقعات چاہے وہ سیاسی، معاشی، مذہبی یا نفسیاتی نوعیت کے ہوں اپنی تحریروں میں ایسے پیش کرتی ہیں کہ پڑھنے والے اس سے سیکھ سکے۔اس لیے زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں مختلف موضوعات کے ذریعے مستقبل کو سنوارنے اور حال کو بہتر بنانے کی پوری کوشش کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا نے افغانستان، بغداد، بنگلہ دیش ہندوستان اور پاکستان وغیرہ کے سماجی رویوں کو تاریخی حوالوں سے بیان کیا ہے۔پانیوں پر بہتی پناہ ایک نسوانی کردار پر مشتمل تاریخی افسانہ ہے۔افسانے میں یہ لڑکی نڈر اور بے خوف ہے مگر وقت کے ساتھ ساتھ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگتی ہے اور سماج کی بے رحمی اور تلخی کی وجہ سے جھکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔اس کو اپنے ارد گرد موجود ہر چیز سے خوف آنا شروع ہو جاتا ہے "کندن حسین" جو ایک لکھاری ہے بقول زاہ حنا جس کا نام سوئیڈن سے انگلینڈ تک چھپتا ہے جس کی کتاب دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر ساری دنیا میں بک رہی ہوتی ہیں۔ اپنے دیش میں جس کی کتابیں جلائی جاتی ہیں۔ جس کے سر کی قیمت ۲ لاکھ ٹکا ہے اور جو اپنے خون کے پیاسوں سے چھپتی پھر رہی ہے۔

زاہدہ کے نزدیک ہر دور میں عورتوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک بڑھتا گیا ہے۔ زمانہ قدیم میں دیکھا جائے تو عورتوں کو اپنے نام سے لکھنا دشوار تھا۔ ان کا یہ قصور تھا کہ وہ سماج میں موجود برائیوں کو اسی طرح لکھ دیتی تھی جس طرح کہ سماج میں وہ برائی موجود ہوتی۔"اسی طرح زرد ہوائیں زرد آوازیں" میں زاہدہ معاشرے میں موجود رسم ورواج توہمات کی طرف اشارہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ان کے مطابق وقت کس قدر ترقی کر جائے ،زمانے کتنے ہی بدل جاتے ہیں۔ مگر انسان کی سوچ، رسم ورواج میں تبدیلی یا تو مشکل سے آتی ہے یا پھر رسم ورواج مزید گھر کر جاتے ہیں۔ان کے افسانے "منزل ہے کہاں تیری" میں مغلیہ تاریخ کو موجودہ دور سے ملانے کی کوشش کی ہے۔اس افسانے میں انہوں نے عورتوں کی عزت و آبرو چاہے وہ ہند عورت ہو یا مسلم ہر طرح سے اہمیت کی حامل ہے۔اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ لکھتی ہیں۔

"ایک بادشاہ اکبر کا بیٹا ہی نہیں ہر عہد کا سلیم منافق اور خود غرض ہوا ہے اور اس کی خود غرضی کی قیمت ہر زمانے کی انار کلی نے چکائی ہے۔"(۲۶ منزل ہے کہاں تیری۔۔۔رقصِ بسم اللہ ہے، الحمد للہ پبلکیشنز لاہور، ۲۰۱۱، ص۔ ()

افسانہ "ہر سو رقصِ بسمل بود" میں سکراط کے زمانے کو موجودہ دور کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ ہر دور میں اقتدار ہے،،۔ کی ہوس ہوتی ہے ۔حکمرانوں کے خیالات ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔بس نام بدل جاتے ہیں۔ان کو اپنے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ اپنے جلال کو برقرار رکھنے کے لیے یہ اپنے خلاف بولنے والے کے ناخون تک کھینچ لیتے ہیں اور اس وقت تک سزا دیتے ہیں جب تک وہ حکمرانوں کے خلاف اختلاف رکھتے ہیں۔ جہاں پہلے کسی کو مارنے کے لیے زہر کا استعمال کیا جاتا تھا وہیں آج کے دور میں کسی کی بھی جان لینے کے لیے مختلف اشیاء ایجاد ہو گئی ہیں۔ قتل و غارت اور دہشت گردی عام ہو گئی ہے۔ ہمیں سوچنا ہو گا ہم کہاں جا رہے ہیں۔ اپنے کئی افسانوں میں زاہدہ حنا عورت کی حمایت میں آواز بلند کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اپنے حق کے لیے عورتوں کو خود بھی آواز بلند کرنی ہو گی۔ پہلا قدم خود اکیلے ہی اٹھانا ہو گا تبھی دوسرے بھی ساتھ دینے کے لیے قدم بڑھائے نگے ورنہ

کوئی ساتھ نہیں دے گا۔ افسانہ " آخری بوند" میں زاہدہ حنا نے نوری جیسی فرضی کردار کے ذریعے سے عورت کا دکھ بیان کیا ہے جو ہر دور اور ہر معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ عورت جب ماں باپ کے گھر میں شادی کے انتظار میں بیٹھی رہ جاتی ہے اور اس کے بالوں میں اسی انتظار میں سفیدی آجاتی ہے اور پھر وہ موت سے جا ملتی ہے۔ زاہدہ معاشرے میں عورتوں کے ساتھ جو سلوک رکھا گیا ہے اسے بہت ہی صاف بیانی سے قارین کے سامنے رکھتی ہیں۔ جنگ میں بھی نقصان سبھی کا ہوتا ہے لیکن اس سے سب سے زیادہ جو ذات اثر انداز ہوتی ہے وہ عورت ہے۔ وہ طالبانیوں کے متعلق لکھتی ہیں کہ انہوں نے عورتوں کو اگر تعلیم سے دور رکھا تو وہ ایسا ہے جیسے انھیں زندہ دفن کر دیا جائے۔ طالبان کی طرح معاشرے میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو طالبانی سوچ رکھتے ہیں اور عورتوں کو غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ زاہدہ انسانی نفسیات پر لکھنے میں ماہر ہیں۔ اپنے افسانے "جاگے ہیں خواب" میں لالا نامی کردار کی خاتون کی نفسیات کے ذریعے بیان کرتی ہیں کہ لالہ ایک صحافی ہے جب سے وہ بغداد سے واپس آئی ہے وہ ذہنی طور پر زخمی ہے۔ بغداد میں اس نے جو بھی حالات دیکھے ہیں وہ اس کی گرفت سے نہیں نکل پا رہے۔ گولیاں، دھماکے، خون کے دھبے، خستہ تن لاشیں، روتے ہوئے اور خون سے لت پت بچے، چیختی ہوئی مائیں، یہ سب اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی وہ نفسیاتی طور پر کشمکش کا شکار ہے۔ سارا بغداد جیسے تندور کے مانند ہے، اس کی تپش سے وہ خود کو اندر ہی اندر جلتا ہوا محسوس کرتی ہے۔ اپنے افسانوں میں زاہدہ حنا نے تقسیم سے اثر انداز لوگوں کی نفسیاتی الجھنوں کو بھی بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ "ہوا پھر حکم صادر ہے" افسانے میں زاہدہ حنا نے عمران کردار کے ذریعے تقسیم کے وقت کچھ ایسے لوگوں کی نفسیات بیان کیا ہے۔ عمران کے دماغ میں کہیں نہ کہیں ہندوستانیوں اور بنگالیوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی تھی۔ کہانی میں عمران ایک ہندوستانی لڑکی سے پسند کی شادی بھی کرتا ہے لیکن ہندوستان سے نفرت کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان زیادہ عرصہ ایک ساتھ گزارنا مشکل ہو جاتا ہے اور بنگالیوں سے اسے اس لیے نفرت تھی کیونکہ اس کے والد کی موت کے بعد اس کی ماں نے بنگالی مرد سے شادی کر لی تھی اور اسے بورڈنگ ہاؤس ڈال کر امریکہ چلی گئی۔ نفرت انسان کی نفسیات میں موجود ہو تو وہ اچھے برے میں فرق کرنے کے قابل نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ وہ ایسا کچھ کر بیٹھتے ہیں جو نہ تو ان کے لیے اچھا ہوتا ہے نہ ملک کے لیے اور نہ انسانیت کے لیے زاہدہ حنا اپنے افسانوں کے ذریعے سے انسانی دوستی اور امن کا درس دیتی ہیں ان کے نزدیک نفرت انسانی زندگی کی تباہی ہے۔ ہمیں سبھی انسانوں کی قدر کرنی چاہیے زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں تاریخ کو نو تاریخیت کے تناظر میں بیان کرتے ہوئے مختلف موضوعات کو رقم دراز کرتی ہیں مصنفہ سیاسی، سماجی، معاشی، نفسیاتی، مذہبی اور تاریخی عوامل پر گہری نظر رکھتی ہیں اور انہیں اپنے افسانوں میں موضوع بنا کر پیش کرتی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف پاکستان کے حالات کو تاریخی حوالوں سے پیش کیا ہے، بلکہ مختلف ممالک کی تاریخ کو بیان کرتے ہوئے حال کے ساتھ موازنہ بھی کیا ہے۔

زبان اور اس کے استعمال پر بھی زاہدہ حنا کو عبور حاصل ہے۔ جو جہاں بھی کسی کردار کے مطابق زبان کو بول دیتی ہیں۔ زاہدہ حنا نے کیونکہ تاریخ کو بیان کیا ہے اور نو تاریخیت سے اس کو جوڑا ہے اس لیے انہوں نے زبان بھی وہ استعمال کی ہے جسے ہماری دادیاں اور نانیاں استعمال کرتی تھیں ۔ تاریخی حوالوں سے اور کردار کے مطابق استعمال کی گئی ان کی زبان کا یہ ایک تواز دیکھیے۔

"نیچے انگن میں بچے جمع ہیں اور کھیل رہے ہیں ان کی آواز مرزا صاحب تک ارہی ہے۔ آلو گالو ماموں چور، باغ جئے بگولا جیے ساون ماس کریلا پھولے پھول کی ڈالیاں باوا گئے گنگا، لائے ست پیالیاں ایک پیالی پھوٹ گئی نیولے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔"

نا کچا آباد مشمولہ، تلیاں ڈھونڈنے والی، تحقیق کار پبلیکیشن دہلی ۲۰۱۰، ص۔۱۸(

پورے افسانے میں لہجہ بدلتا رہتا ہے اور زبان بھی جو ان کی فنی بصیرت کا ثبوت ہے۔ ان کی سوچ کا انداز مختلف ہے وہ مختصر جملوں کے ذریعے سے اپنی بات سمجھا دیتی ہیں۔ وہ لمبی بات کرنے کے بجائے مختصر اور جامع الفاظ کا استعمال کرتی ہیں اور بات کو بھی اس انداز میں پیش کرتی ہیں کہ پورے واقعے کی سمجھ آجائے۔

"انسان کس قدر کم جانتا ہے، اپنے زمانے کے بارے میں، اپنے بعد آنے والے زمانے کے بارے میں انسان بچوں کی طرح ہے۔ انہی کی طرح ناواقف، انہی کی طرح لاعلم۔"

(۔زاہدہ حنانہ کچاباد، تتلیاں ڈھونڈنے والی، تحقیق کار پبلک کیشنز دہلی ۲۰۱۰۔ ص۔۱۸

افسانوں میں جگہ جگہ پر زاہدہ حنا نے اپنی بات کم لفظوں میں پیش کرنے کے لیے تشبہوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ کسی افسانے میں عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی ہے تو کسی میں انسانی چہروں کو بھیڑیوں اور بکریوں سے تشبیہ دی ہے تو کسی افسانے میں عورتوں کو مالِ غنیمت سے تشبیہ دی ہے۔ تشبیہ کے ساتھ ساتھ کئی افسانوں میں علامت نگاری اور صنعتِ تلمیح کا استعمال بھی بہت خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے۔ زاہدہ حنا کو اپنے افسانوں میں جہاں سیدھے سادھے انداز میں تحریر ممکن ہوتی ہے وہاں اسلوب سادہ رکھتی ہیں۔ جہاں علامتی انداز کی ضرورت ہوتی ہے وہاں وہ علامت کا استعمال کرتی ہیں۔ ذرا دیکھیے ہجرت کیے ہوئے لوگوں کی علامت کس انداز میں پیش کی گئی ہے۔

"میں اپنے پاس کھڑے جامن اور پیپل کے پیڑوں کو دیکھتی ہوں اور حیران ہوتی ہوں نہ جانے یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں انہیں اس زمین میں کس نے لگایا اور ان کی جڑیں زمین میں جانے کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں۔"

)نا کچا آباد، تتلیاں ڈھونڈنے والی، تحقیق کار پبلکیشنز لاہور ۲۰۱۰، ص۔۲۲(

"تتلیاں ڈھونڈنے والی" افسانے میں تتلی آزادی کا المیہ ہے۔ "جل ہے سارا جال" میں زاہدہ حنا ایکویریم کے ذریعے معاشرے کی علامت پیش کرتی ہیں اور مچھلیوں کے ذریعے انسانوں کی۔ "تمکینت" جو اس افسانے کی ایک اہم کردار ہے اس بات کی خواہش کرتی ہے کہ ایک ایسا معاشرہ (ایکویریم)

موجود ہو جس میں ایک جان کو دوسری جان سے خطرہ نہ ہو۔ نہ وہ خود کسی چھوٹی مچھلی کو کھائے اور نہ خود کسی دوسری بڑی مچھلی کا نوالہ بنے۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں اسی طرح کی علامت نگاری نئی نئی صورتوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ علامت نگاری کے علاوہ صنعت تلمیح کا بھی استعمال کثرت سے کیا گیا ہے کیونکہ زاہدہ حنانے تاریخ کو نو تاریخیت سے ملانے پر زور دیا ہے۔ اس لیے ان کے افسانوں میں صنعت تلمیح موجودہ صورتحال کو تاریخ کے دور میں لے جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ذرا یہ اقتباس دیکھیے۔

"مصر کے بازار میں یعقوب کا بیٹا یوسف سوت کے چند لوگوں کے عوض بکا تھا اور اس دن آفندی ڈیمک نے ابن ایوب کو بن داموں خرید لیا۔"

)ابن ایوب کا خواب'، تتلیاں ڈھونڈنے والی۔ خلیق کار پبلیکیشنز دہلی'۲۰۱۰۔ ص۔۱۴۴(

کسی بھی تحریر کی خوبصورتی کا انحصار واقعات کی ترتیب پر ہوتا ہے۔ زاہدہ حنانے اپنے ہر ایک افسانے میں تاریخی واقعات ہوں یا نفسیاتی کشمکش ہر طرح کے واقعات کو ترتیب کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔ کردار نگاری کے لحاظ سے بھی ان کے افسانے بہت کامیاب ہیں۔ ان کے افسانوں میں کندن حسین، رحیم چاچا، لالا، کرنل معصوم کرنل بیٹا جعفر، حسین، عمران، نادرہ، نرجش، عباس، شہنشاہ بانو، تمکینت، پروین، ارم، نجیب اور ناہد کچھ ایسے کردار ہیں جو لافانی ہیں۔ زاہدہ حنا اپنے کرداروں کو اس طرح پیش کرتی ہیں کہ وہ ہماری عام زندگی کے کردار ہی محسوس ہوتے ہیں۔ افسانے میں ایک جگہ جہاں کندن حسین کا کردار ہے کہ جب وہ سماج میں پھیلی برائیوں کے بارے میں کھل کر لکھتی ہے تو لوگ اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اس کے سر کی قیمت دو لاکھ لگائی گئی۔ وہیں دوبلے پتلے رحیم چاچا کا کردار اس کی جان بچانے کی پوری کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس افسانے میں رحیم چاچانے اپنی زندگی کی پرواہ کرنے

+ کے بجائے کندن حسین کی جان کی پرواہ کی۔ زاہدہ حنانے اپنے ان کرداروں کے ذریعے تاریک کو بیان کیا ہے۔ یہ ہر دور میں ہوتا چلا ایا ہے جہاں پر بھی ظلم ہوتا ہے وہاں کچھ رحم دل لوگ موجود ہوتے ہیں۔ جو اس ظلم کے خلاف اواز اٹھاتے ہیں۔ اس طرح رحیم چاچا کا کردار ایک ضمنی کردار کی حیثیت سے سامنے آتا ہے زاہدہ حنا اپنے کرداروں کا سہارا لے کر تاریخ کو پیش کرتی ہیں اور انہی کرداروں کے ذریعے اس دور کی تہذیب، ثقافت، سماج، مذہب اور لوگوں کی نفسیات کو بھی بیان کرتی ہیں تاکہ ان افسانوں کے ذریعے قاری اپنے آنے والے حال اور مستقبل کو بہتر بنا سکے۔ ان کے کرداروں کی یہ خاصیت ہے کہ وہ تاریخ میں کھو نہیں جاتے بلکہ وہ تاریخ میں ہونے والے ظلم کو موجودہ دور کے ساتھ ملاتے ہیں زاہدہ حنانے مکالموں کی طرف بھی اتنی ہی توجہ دی ہے جتنی کرداروں کی طرف دی ہے۔ ان مکالمات کے ذریعے ہی کرداروں کی طبقاتی حیثیت کا پتہ چلتا ہے زاہدہ نے اپنے کرداروں کے منہ میں سین زبان ڈال دی جس سے ان کی انفرادیت اور تہکی کی نمائندگی کا پتہ چلتا ہے ان کا ہر مکالمہ کردار کی ذاتی وانفرادی خصوصیت کو اجاگر کرتا ہے نرجش اور مریم کے مکالموں کو پڑھ کر اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔

"بی بی تمہیں ڈر نہیں لگتا؟"

"کس بات سے ڈر نرجس نے جواب دیا"

موت سے""

"نہیں موت"

"جب اپنا اختیار ہو تو اس سے ڈر نہیں لگتا پھر مہندی ہی تو ہے۔ وہ میرے بعد رہے گا اور میں اس میں رہوں گی پھر جب وہ چلا جائے گا تو میں اس کے بچوں میں زندہ رہوں گی۔"

(تتلیاں ڈھونڈنے والی لڑکی، تحقیق کار پبلیکیشنز، ۲۰۱۰، ص ۲۱۸)

المختصر زاہدہ حنا کے افسانوں میں مکالمے پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مکالموں کے ہنر سے بھی واقف ہیں اور وہ اپنے کرداروں کے الفاظ لہجے اور ان کے اتار چڑھاؤ میں بھی مہارت رکھتی ہیں۔ ان کے افسانے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور ان کا مشاہدہ وسیع ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ زاہدہ حنا بیسویں صدی میں اردو افسانہ نگاروں میں نمایاں مقام رکھتی ہیں وہ سنجیدہ، جرات مند اور ہوش مند افسانہ نگار ہیں۔